المستصفی الامام الغزالی کا مختصر تعارف

نام طالبہ

رول نمبر رجسٹریشن نمبر

نگران مقالہ

المستصفی الامام الغزالی کا مختصر تعارف

امام ابو حامد غزالیؒ تاریخ کا وہ درخشاں ستارہ ہیں جس کی کرنیں چوتھی صدی کے وسط میں دنیائے اسلام میں نمودار ہوئیں امام غزالیؒ نے اپنے فکر انگیز نظریات کے سبب مسلم دنیا پر وہ گہرے نقوش چھوڑے ہیں جو آج بھی اسلامی فلسفہ و علم، حکمت و تصوف، روحانیت، معاشرتی اقدار اور اخلاقیات کی اصلاح کے لیے اساسی حدیث رکھتے ہیں۔ امام غزالی نے اپنے دور میں موجودہ علمی مکاتب کے نظریات کے ابطال اور اسلام کی جامعیت کو دنیا کے سامنے پیش کیا۔

ولادت و نام و نسب

امام غزالی کا نام محمد کنیت ابو حامد اور لقب حجۃ الاسلام تھا۔ والد کا نام بھی محمد تھا اور دادا کا نام بھی محمد تھا۔ عوام و خواص میں جس نام سے شہرت پائی وہ "غزالی" ہے۔ آپ شافعی المسلک تھے، اس طرح آپ کا پورا نام 'ابو حامد محمد بن محمد الطّوسی الشافعی الغزالی ہے۔[1] خراسان کے اضلاع میں سے ایک ضلع طوس کے دو شہر تھے طاہران اور توقان، امام غزالیؒ شہر طاہران میں 450ھ میں پیدا ہوئے۔[2]

معاشرتی حالات و واقعات

کسی بھی شخصیت کی معرفت کا ایک بڑا ذریعہ وہ ماحول اور سوسائٹی ہوتی ہے جس میں اس نے زندگی بسر کی ہو یا جہاں اس نے کسب فیض کیا ہو۔ امام صاحب کی علمی کاوشوں کو جاننے کے لئے ضروری ہے کہ ان کے معاشرتی پس منظر پر ایک نگاہ ڈالی جائے تاکہ امام صاحب کی محنت اور تگ و دو کھل کر سامنے آئے۔ نظام ملک کا اصل نام حسن بن علی ہے وہ امام غزالیؒ کے ہم وطن یعنی طوس کے ایک گاؤں رازکان کا رہنے والا تھا۔ اس کے باپ دادا دہقان تھے۔ اس نے حدیث و فقہ کی تحصیل کی اور فراغت کے بعد دنیاوی اشغال میں مشغول ہوا۔ یہاں تک کے حاکم بلخ کا میر منشی مقرر ہوا اور رفتہ رفتہ اس قدر ترقی کی کہ الپ ارسلان کا وزیر بن گیا۔ الپ ارسلان نے 465ھ میں وفات پائی اس کے مرنے کے بعد الپ ارسلان کے بیٹوں نے سلطنت کے لئے معرکہ آرائیوں کے سامان کئے لیکن نظام الملک کی حسن تدبر سے ملک شاہ و تاج و تخت نصیب ہوا اور وہ ہی سب بھائیوں میں ترجیح کا حق بھی رکھتا تھا۔ ملک شاہ

---

[1] الغزالی، ابو حامد محمد بن محمد، (2016ء) المنقذ من الضلال (مترجم محمد حنیف ندوی)، لاہور، ادارہ ثقافت، ص: 21

[2] شبلی نعمانی، (1956ء)، الغزالی، لاہور، مکتبہ ثناء اللہ، ص: 56

تخت نشین ہو کر سلنطت کو وہ رونق اور وسعت بخشی کہ خلفاء راشدین کے بعد کبھی دیکھنے میں نہیں آئی۔ تعلیم و تدریس کو یہ ترقی دی کہ تمام ممالک اسلامیہ میں چپہ چپہ پر مکاتب اور مدارس قائم کئے کوئی شہر ایسا نہ رہا تھا جہاں اس کا تعمیر کردہ مدرسہ نہ تھا یہاں تک کہ جزیرہ ابن عمر میں بھی بالکل ایک گوشہ میں واقع ہے اور کسی کا وہاں گزر نہیں ہوتا لیکن پھر بھی ایک بڑا مدرسہ موجود ہے۔ اس کے زمانے میں مدارس کا سالانہ خرچ 6 لاکھ اشرافیاں تھی اس کے سوا اپنی کل جاگیر کا دسواں حصہ تعلیم کے مصارف پر وقت کر دیا تھا۔ نظام الملک خود صاحب علم و فضل تھا اور اہل فضل و کمال کا بہت قدر دان تھا۔ ابو علی فارمدیؒ جب اس کے دربار میں آتے تھے تو ہمیشہ ان کے لئے مسند خالی کر دیا کرتے۔ امام غزالیؒ کا مزاج ابتداء میں جاہ پسند تھا۔[3]

امام الحرمینؒ جنہیں دربار میں بے حد عزت سے نوازا جاتا تھا کی صحبت میں انہوں نے علماء کی قدر و منزلت کا جو سماں دیکھا اس نے ان کی طبیعت میں اس ولولے کو اور زیادہ بڑھا دیا تھا ان کے سامنے یہ واقعہ گزرا تھا کہ جب علامہ ابو اسحٰق شیرازی عباسیوں کی طرف سے سفیر ہو کر بغداد سے نیشاپور کو چلے تو جس جس شہر میں ان گا گزر ہوتا تھا۔ شہر کا شہر مشایعت کو نکلتا اور تمام دد و کاندار اپنی اپنی دوکانوں کا اسباب و سامان ان کے قدموں پر نثار کرتے جاتے یہاں تک کے روپے اور اشرافیاں لٹاتے نیشاپور پہنچے تو خود امام الحرمین ان کا غاشیہ اپنے کندھوں پر رکھ کر ان کے رکاب میں چلے۔[4] غرض جاہ منصب کی امید میں امام غزالیؒ نے درسگاہ سے نکل کر نظام الملک کے دربار کا رخ کیا چونکہ ان کی علمی شہرت دور دور پہنچ چکی تھی۔ نظام الملک نے نہایت تعظیم و تکریم سے ان کا استقبال کیا اس وقت فضیلت اور کمال کے اظہار کا جو طریقہ تھا۔

علمی مناظرات تھے رؤساء وامراء کے دربار میں علماء و فضلاء کا مجمع ہوتا تھا اور مسائل علمی پر مناظرانہ گفتگو ہوتی تھی جو شخص زور تقریر سے حریفوں کو بند کر دیتا تھا۔ وہی سب سے ممتاز سمجھا جاتا تھا اس طریقہ کو اس طریقہ کو اس وسعت ہوئی کہ بڑے شہروں میں بطور خود مناظرہ کی مجلس قائم ہوتی تھیں اور لوگ اپنے شوق سے ان مجلسوں میں شریک ہوتے تھے یہاں تک کہ رفتہ رفتہ مناظرہ خود ایک فن بن گیا اور آج اس فن پر سینکڑوں کتابیں موجود ہیں۔ امام غزالیؒ نظام الملک کے دربار میں پہنچے تو سینکڑوں اہل کمال کا مجمع تھا نظام الملک نے مناظرہ کی مجلسیں منعقد کیں۔ متعدد جلسے ہوئے اور مختلف مضامین پر بحثیں رہیں۔ ہر معرکہ میں امام صاحب ہی غالب رہے اس کامیابی نے امام صاحب کی شہرت کو چمکا دیا اور تمام اطراف و دیار میں چرچے پھیل گئے۔

نظام الملک نے ان کو نظامیہ کی مسند درس کے لئے انتخاب کیا امام صاحب کی عمر اس وقت 34 برس سے زیادہ تھی اس عمر میں نظامیہ کی مسند کا حاصل کرنا ایک ایسا فخر تھا جو امام صاحب کے سوا کبھی کسی کو حاصل نہیں ہوا۔ امام صاحب نے جمادی الاولی

---

[3] سبکی، تاج الدین ابی نصر عبد الوھاب بن علی، (2011ء)، طبقات الشافعیہ، ج:4، بیروت لبنان، دار الکتب علمیہ، ص:76

[4] ابن اثیر، عزالدین ابی الحسن علی بن ابی الکرم محمد بن محمد بن عبد الکریم بن عبد الواحد، (1356ھ)، الکامل فی التاریخ، لاھور، مکتبہ رحمانیہ، ص:44

484ھ میں بڑی عظمت وشان و جاہ و حشم کی ساتھ بغداد میں نظامیہ کی مسند درس کو زینت دی اور کچھ ہی دنوں میں اپنے علم و فضل کی بنا پر ارکان سلطنت کے ہمسر بن گئے۔ سبکی نے طبقات میں لکھا ہے:"ان کے جاہ و جلال نے وزراء امرا کو بھی دبالیا یہاں تک کہ سلطنت کے اہم اور مہتم بالشان معاملات ان کی شرکت کے بغیر انجام نہیں پاسکتے تھے"۔اس زمانے میں اسلام کے جاہ جلال کے دو مرکز تھے خاندان سلجوقی اور آل عباس امام صاحب دونوں درباروں میں نہایت محترم تھے۔

عہد مسافرت

488ھ غزالی کے انقلاب و تحول روحانی کا سال آغاز ہے وہ ایک نئے دور میں جانے کی شروعات تھی ان کی زندگی کا یہ دور عہد سابق سے یکسر ممتاز اور جداگانہ حیثیت کا حامل ہے اور اس مسافرت و ریاضت کے بعد جس غزالی سے دنیا روشناس ہوئی اس کی نظیر ملنا مشکل ہے۔ امام غزالی اپنی تصنیف میں خود رقم طراز ہیں:"میں بغداد میں جو دنیا بھر کے عقائد اور خیالات کا دنگل تھا، شیعہ، سنی، معتزلی، زندیقی، ملحد، مجوسی اور عیسائی بغداد میں ایک دوسرے سے مناظرے کرتے اور دست و گریبان ہوتے، میں ہر ایک باطنی ظاہری، فلسفی، متکلم اور زندیق سے ملتا تھا اور ہر ایک کے خیالات معلوم کرتا تھا، میری طبیعت ابتداء ہی سے چونکہ مائل بہ تحقیق تھی، ان ملاقاتوں سے رفتہ رفتہ میری "تقلید" کی بندش ٹوٹ گئی اور جن عقائد پر پہلے سے گامزن تھا ان کی وقعت میرے دل میں جاتی رہی۔ "میں نے خیال کیا کہ اس قسم کے تقلیدی عقائد، تو یہودی، عیسائی سبھی رکھتے ہیں۔ حقیقی علم اس کا نام ہے کہ کسی قسم کے شبہہ کا احتمال نہ ہو۔ مثلا یہ امر یقینی ہے کہ دس کا عدد تین سے زائد ہے اب اگر کوئی شخص کہے کہ نہیں تین زائد ہے اور اس کے ثبوت میں وہ شخص یہ کہے کہ میرا دعوی حق ہے کیونکہ میں عصاء کو سانپ بنا سکتا ہوں اور بنا کر دکھا بھی دے تو میں کہوں گا کہ بلاشبہ عصاء کا سانپ بن جانا سخت حیرت انگیز ہے لیکن اس سے اس یقین میں فرق نہیں آسکتا کہ دس تین سے زائد ہے۔"

غزالیؒ کا سفر سیاحت و ریاضت دس سال کی مدت پر محیط ہے اس دوران انہوں نے تصنیف و تالیف کا کام بھی جاری رکھا اور متعدد کتب و رسائل بھی تصنیف کئے ان میں احیاء العلوم سر فہرست ہے۔

امام غزالیؒ کی دو مرحلوں پر مشتمل زندگی

امام غزالیؒ کی زندگی دو مرحلوں پر مشتمل تھی۔ پہلے مرحلے میں یونانی فلسفے کی تعلیم حاصل کی اور مذہب کے بارے میں تشکیک کا شکار ہو گئے۔ دوسرے مرحلے میں انہوں نے تصوف کی طرف توجہ کی، چنانچہ توحید و رسالت اور یوم حساب کو تسلیم کرنے لگ گئے۔ خدا نے حقائق میں ان کا ایمان از سر نو تازہ کر دیا تھا۔ چنانچہ قیامت کی ہولناکیاں ان کے دل و دماغ پر اس طرح چھا گئیں

کہ ماہ رجب تا ذوالقعدہ 488ھ کے عرصہ میں دہشت اور خشیت الٰہی نے ان کے اندر انقلاب برپا کر دیا۔ اسی وجہ سے پھر فلسفہ کے منکر ہو گئے تھے۔ مشاہدات اور قلبی واردات کو ہی اہمیت دینے لگے۔ اسی طرح انہوں نے عملی طور پر ہی تصوف کو اپنالیا تھا۔ کیونکہ فلسفہ شک اور تصوف یقین پیدا کرتا ہے اس انقلاب کی وجہ سے وہ تصوف کی طرف مکمل طور پر مائل ہو گئے، اور صوفیانہ نقطہ نظر ان کے اسلوب حیات پر غالب آ گیا۔ اگلے دس سال تک اس حالت کا ان پر اتنا غلبہ رہا کی وہ معمول کی زندگی بھی بسر نہ کر سکے۔ جب عائلی زندگی اور تدریس کی طرف لوٹے بھی تو ان کا طرز فکر اور طرز زندگی یکسر بدل چکا تھا۔ وہ عملی صوفی بن چکے تھے۔

امام غزالیؒ کی زندگی میں انقلاب کے بنیادی اسباب

امام غزالیؒ کی زندگی میں آنے والے اس تغیر پر اگر مختصر تبصرہ کیا جائے تو کیا جا سکتا ہے کہ اس کے دو بنیادی اسباب تھے۔ ایک تو یہ کہ اللہ تعالیٰ نے امام غزالیؒ کو ذہن رسا عطاء فرمایا۔ دوسرا یہ کہ ان کی زندگی پر تصوف کے اثرات خفیہ طور پر موجود تھے جیسا کہ ذکر ہوا کہ ان کے والد خود درویش منش اور صوفی تھے جب وہ فوت ہونے لگے تو پھر بھی امام غزالیؒ کو صوفی دوست کے سپرد کیا اس طرح ابتدائی زندگی ہی میں ان پر تصوف کے اثرات پڑے۔ امام غزالی کا ترک تعلقات کا واقعہ دنیا کے عجیب و غریب واقعات کی فہرست میں درج کیا جا سکتا ہے دنیاوی تعلقات اور بہت سے بزرگوں نے بھی ترک کئے لیکن امام صاحب کی بے تعلقی کے اسباب بالکل نئے قسم کے ہیں۔

بے خودی کی حالت میں بغداد سے نکلنا

ابن خلکان کی روایت کے مطابق ذوالقعدہ 488ھ میں بغداد سے نکلے۔ امام صاحب جس حالت میں بغداد سے نکلے عجیب ذوق اور وارفتگی کی حالت تھی۔ پر تکلف اور قیمتی لباس کی بجائے بدن پر کمبل تھا اور لذیذ غذاؤں کے بدلے ساگ پات پر گزارہ کرتے تھے۔

دمشق کا قیام اور مراقبہ و مجاہدہ

غرض بغداد سے نکل کر شام کا رخ کیا اور پھر دمشق پہنچ کر مجاہدہ و ریاضت میں مشغول ہوئے۔ روزانہ یہ شغل تھا کہ جامع اموی کے غربی مینار پر چڑھ کر دروازہ بند کر لیتے اور تمام تمام دن مراقبہ اور ذکر و شغل کیا کرتے۔ متصل دو برس دمشق میں قیام رہا۔

اگرچہ زیادہ اوقات مراقبہ و مجاہدہ میں گزرتے تاہم علمی اشغال بھی ترک نہیں ہوئے۔ جامع اموی دمشق کی گویا ایک یونیورسٹی تھی اس میں غربی جانب زاویہ میں بیٹھ کر درس دیا کرتے تھے۔

شیخ ابو علی فارمدی سے بیعت

تمام مؤرخین بالاتفاق لکھتے ہیں کہ " امام غزالی نے شیخ ابو علی فارمدی (افضل بن محمد بن علی) سے بیعت کی تھی۔ شیخ موصوف بہت عالی مرتبہ صوفی تھے۔ نظام الملک ان کا اس قدر احترام کرتا تھا کہ جب وہ دربار تشریف لے جاتے تو تعظیم کے لئے کھڑے ہو جاتا اور ان کو اپنی مسند پر بٹھا کر خود مؤدب سامنے بیٹھتا۔ حالانکہ امام الحرمین اور امام ابو القاسم قشیری کے لئے وہ صرف قیام پر اکتفاء کرتا اور اپنی مسند سے الگ نہ ہوتا۔ لوگوں نے اس کی وجہ پوچھی تو کہا " امام الحرمین وغیرہ آتے ہیں تو میرے منہ پر میری تعریف کرتے ہیں جس سے میرا نفس اور زیادہ نخوت پرست ہو جاتا ہے بخلاف اس کے شیخ ابو علی فارمدی میرے عیوب سے مجھ کو مطلع کرتے ہیں اور بتاتے ہیں کہ رعایا پر میرے ہاتھ سے کیا ظلم ہو رہا ہے۔"

امام غزالیؒ کے حاسدین

امام صاحب کی مقبولیت جس قدر روز بروز بڑھتی جارہی تھی ان کے حاسدوں کا گروہ بھی بڑھتا جارہا تھا۔ خصوصا امام صاحب نے احیاء العلوم میں جس طرح تمام علماء و مشائخ کی ریاکاریوں کی قلعی کھولی تھی۔ اس نے ایک زمانے کو ان کا دشمن بنا دیا تھا۔ نوبت یہاں تک پہنچی کہ ایک گروہ کثیر نے مخالفت کی کمر باندھی۔ اس زمانے میں خراساں کا فرمانروا سنجر بن ملک شاہ سلجوکی تھا اس خاندان کو امام ابو حنیفہؒ کے ساتھ نہایت حسن عقیدت تھا۔ امام ابو حنیفہؒ کے مزار پر اول اسی خاندان نے گنبد اور روضہ تعمیر کروایا تھا۔

امام غزالیؒ کی مخالفت

امام غزالیؒ نے آغاز شباب میں ایک منخول نام کی کتاب اصول فقہ میں تصنیف کی تھی۔ جس میں ایک موقع پر امام ابو حنیفہؒ پر نہایت سختی کے ساتھ نقطہ چینی کی تھی۔ اما صاحب کے مخالفین کے لئے یہ ایک عمدہ دستاویز تھی۔ یہ لوگ سنجر کے دربار میں یہ کتاب لے کر گئے اور اس پر زیادتی کے ساتھ آب و رنگ چڑھا کر پیش کیا۔

سنجر کا امام غزالیؒ کو طلب کرنا

سنجر خود صاحب علم نہ تھا کہ ند گوئیوں کی شکایتوں کا خود فیصلہ کرتا۔ جبہ و دستار والوں نے جو کچھ کہا اس کو یقین آ گیا اور امام غزالی کی حاضری کا حکم دیا۔ امام غزالی عہد کر چکے تھے کہ کسی بادشاہ کے دربار میں نہ جائیں گئے ادھر فرمانِ شاہی کا بھی لحاظ تھا اس لئے مشہد رضا تک گئے اور وہاں ٹھہر گئے۔ سلطان کو فارسی زبان میں ایک خط لکھا۔ اس خط کو پڑھ کر سلطان امام صاحبؒ کی زیارت کا مشتاق ہوا اور درباریوں سے کہا کہ میں چاہتا ہوں کہ روبرو باتیں کر کے ان کے عقائد و خیالات سے واقف ہوں۔ مخالفین کو یہ حال معلوم ہوا تو وہ ڈر گئے کہ کہیں بادشاہ پر امام غزالیؒ کا جادو نہ چل جائے اس لئے یہ کوشش کی کہ امام غزالیؒ لشکر گاہ تک آئیں لیکن دربار تک نہ جانے پائیں۔ بلکہ باہر ہی مناظرہ کی مجلس میں امام غزالیؒ کو زچ کیا جائے۔ طوس کے علماء و فضلاء نے جب یہ خبر سنی تو لشکر گاہ میں پہنچ گئے اور مخالفین سے کہا کہ ہم امام غزالی کے شاگرد ہیں مسائلِ بحث ہمارے سامنے پیش کئے جائیں جب ہم عہدہ بر آنہ ہو سکیں تو امام صاحب کو تکلیف دی جائے۔ ان تمام حالات میں سنجر یہ مصلحت سمجھی کہ اما صاحب کو سامنے بٹھا کر فیصلہ کر لیا جائے۔ معین الملک وزیر اعظم جب امام غزالی کو لے کر سنجر کے دربار تک گیا تو سنجر تعظیم کے لئے اٹھا اور امام صاحب کو معانقے کے بعد سریر شاہی پر جگہ دی۔ امام غزالیؒ نے سنجر کی طرف خطاب کیا اور آخر میں یہی کہا کہ میری نسبت جو یہ مشہور کیا جاتا ہے کہ میں نے امام ابو حنیفہؒ پر طعن کیے ہیں محض غلط ہیں، امام ابو حنیفہؒ کی نسبت میرا وہی اعتقاد ہے جو میں نے کتاب احیاء العلوم میں لکھا ہے کہ ان کو فنِ فقہ میں انتخابِ روزگار سمجھتا ہوں۔

فنِ حدیث کی تکمیل

امام غزالیؒ نے حدیث کا فن اثنائے تحصیل میں نہیں سیکھا تھا۔ آپ نے یہ زمانہ علمی و دینی اشتغال میں گزارا۔ ان میں بھی طالب علمانہ روح تھی، وہ حدیث کی طرف ایسی توجہ نہیں کر سکے تھے جیسی انہیں علومِ عقلیہ اور بعض نقلیہ کی طرف تھی اس زمانہ میں ان کو حدیث کی تکمیل کا خیال آیا تا کہ اس کمی کو بھی پورا کر سکیں۔ چنانچہ ایک محدث حافظ عمر بن ابی الحسن الرواسی کو اپنے ہاں مہمان رکھ کر ان سے صحیح بخاری اور صحیح مسلم کا درس لیا اور اس کی سند حاصل کی۔

امام غزالیؒ کی دو ممتاز خصوصیات

(1) اخلاص (2) علوِّ ہمت

ان کے اخلاص کا اعتراف موافق و مخالف سب کو ہے اور وہ ان کی تصنیفات کے لفظ لفظ سے ٹپکتا ہے۔ شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ اگرچہ ان کے ناقد ہیں اور ان کی بہت سی چیزوں سے ان کو اختلاف ہے، لیکن اس کے باوجود وہ ان کو کبار مخلصین مین شمار کرتے ہیں۔ ان کی کتابوں کی مقبولیت کی اصل وجہ ان کا یہی اخلاص ہے۔ اسی اخلاص نے ان سے اقلیمِ علم کی مسندِ شاہی ترک کروائی تھی۔ علوہمت ان کی زندگی کا طغرائے امتیاز ہے انہوں نے علم اور عمل کے دائرے میں اپنے زمانہ کی سطح اور اپنے ہمعصروں کی کسی منزل پر قناعت نہیں کی، وہ علم و عمل کے انتہائی اعلیٰ مقام تک پہنچے۔

امام غزالیؒ کا وصال

ابن جوزیؒ نے کتاب "الثبات عند الحمات" میں امام صاحبؒ کی وفات کا قصہ ان کے بھائی احمد غزالیؒ کی روایت سے یہ لکھا ہے کہ: "پیر کے دن امام صاحبؒ نے صبح کے وقت وضو کر کے نماز پڑھی پھر کفن منگوایا اور اس کو چوم کر آنکھوں سے لگایا اور کہا کہ "آقا کا حکم سر آنکھوں پر یہ کہہ کر قبلہ رخ ہو کر پاؤں پھیلا دیئے اور دن نکلنے سے بیشتر ہی روح قفس عنصری سے پرواز کر گئی۔" امام صاحبؒ نے 14 جمادی الثانی 505ھ بمطابق 1111ء میں طاہران کے مقام پر انتقال کیا اور وہیں مدفون ہوئے۔ امام صاحب کی سن ولادت و وفات میں کسی قسم کا کوئی اختلاف نہیں پایا جاتا۔

تصنیفات

امام صاحب کا کام تصنیف و تالیف کے لحاظ سے نہایت حیرت انگیز ہے۔ انہوں نے کل 54-55 برس کی عمر پائی۔ تقریبا بیس برس کی عمر سے تصنیف کا مشغلہ شروع ہوا۔ گیارہ سال صحرانوردی اور بادیہ پیمائی میں گزرے درس و تدریس کا شغل ہمیشہ قائم رہا۔ اور کبھی کسی زمانے میں ان شاگردوں کی تعداد ڈیڑھ سو سے کم نہ ہوئی۔ فکر و تصوف کے مشغلے جدا، دور دور سے جو فتاویٰ آتے رہے ان کا جواب لکھنا الگ با آیں ہمہ سینکڑوں کتابیں تصنیف کیں جن میں سے بعض کئی کئی جلدوں میں گوناگوں مضامین سے پر ہیں اور جو بھی تصنیف ہے اپنے باب بے نظیر ہے سچ ہے: امام صاحب کی تصنیفات درج ذیل ہیں جو طبقات سبکی اور شرح احیاء اور کشف الظنون سے ماخوذ ہے:

احیاء العلوم، املاء علی مشکل الاحیاء، اربعین، الاسماء الحسنیٰ، الاقتصاد فی الاعتقاد، الجام العوام، اسرار معاملات الدین، اسرار الانوار الالہیۃ بالآیات المتلوۃ، اخلاق الابرار والنجاۃ من الاشرار اسرار اتباع السنتہ، بدائع الصنع، حقیقۃ الروح، خلاصۃ الرسائل الی علم المسائل فی المذہب، الرسالۃ القدسیہ، غایۃ الغور فی مسائل الدور فی مسئلہ الطلاق، کیمیائے سعادت، اللباب المنتحل فی علم الجدل،

المستصفی فی اصول الفقہ، منخول، وجیز، وسیط، یاقوت التاویل فی التفسیر (40 جلد) یہ تمام علمی کاوشیں امام صاحبؒ کے اعلی مقام و مرتبہ کی شاہد ہیں ان کے علاوہ بھی بہت سی تصانیف ہیں جو معدوم ہو چکی ہیں۔

کتاب "المستصفی من علم الأصول" کا تعارف

کتاب کے نام کی وجہ تسمیہ

امام ابو حامد الغزالیؒ نے اپنی اصولِ فقہ کی مشہور کتاب "المستصفی من علم الأصول" کا نام نہایت بامعنی انداز میں رکھا ہے۔ "المستصفی" عربی لفظ ہے جس کے معنی ہیں چنا ہوا، خالص کیا ہوا یا منتخب شدہ چیز۔ اس نام سے امام غزالیؒ کی مراد یہ ہے کہ انہوں نے علمِ اصولِ فقہ کے طویل اور پیچیدہ مباحث میں سے انتہائی ضروری، مضبوط اور خالص اصولوں کو منتخب کر کے اس کتاب میں جمع کیا ہے۔ یعنی یہ کتاب محض مختلف اقوال کا مجموعہ نہیں بلکہ اصولِ فقہ کا تحقیقی اور منتخب نچوڑ ہے۔ "من علم الأصول" کا اضافہ اس بات کی وضاحت کرتا ہے کہ یہ انتخاب خاص طور پر علمِ اصولِ فقہ کے مباحث سے کیا گیا ہے۔ اس طرح پورا عنوان اس حقیقت کو ظاہر کرتا ہے کہ یہ کتاب اصولِ فقہ کے بنیادی، ضروری اور مستند اصولوں کا مرتب اور منظم خلاصہ ہے۔

تصنیف کا پس منظر

امام ابو حامد الغزالیؒ Imam Al-Ghazali کی کتاب "المستصفی من علم الأصول" Al-Mustasfa min Ilm al-Usul اس دور میں تصنیف ہوئی جب اسلامی علمی روایت میں اصولِ فقہ کے مباحث بہت زیادہ پھیل چکے تھے اور مختلف مکاتبِ فکر کے درمیان استدلالی اختلافات بھی نمایاں ہو رہے تھے۔ اس علمی ماحول میں ایک ایسی جامع اور منظم کتاب کی ضرورت محسوس کی گئی جو اصولِ فقہ کے بنیادی قواعد کو سادہ، مرتب اور تحقیقی انداز میں پیش کرے۔ امام غزالیؒ نے اپنے دور کے علمی انتشار اور غیر منظم مباحث کو سامنے رکھتے ہوئے یہ کوشش کی کہ اصولِ فقہ کے دلائل کو منطقی ترتیب کے ساتھ پیش کیا جائے اور غیر ضروری تفصیلات کو کم کر کے بنیادی اصولوں کو واضح کیا جائے۔ اسی مقصد کے تحت انہوں نے "المستصفی" کو ایک ایسے علمی سانچے میں مرتب کیا جو بعد کے فقہاء اور اصولیین کے لیے ایک مضبوط بنیاد ثابت ہو۔

اصولِ فقہ میں مقام

امام ابو حامد الغزالیؒ کو اصولِ فقہ کی تاریخ میں ایک نہایت اہم اور مؤثر شخصیت سمجھا جاتا ہے۔ انہوں نے اصولِ فقہ کو محض فقہی قواعد کے مجموعے کے بجائے ایک منظم، عقلی اور استدلالی علم کی صورت میں پیش کیا۔ ان کی تصنیف "المستصفی من علم الأصول" کو اصولِ فقہ کے علمی ارتقاء میں ایک سنگِ میل کی حیثیت حاصل ہے، کیونکہ اس میں اصولی مباحث کو نہایت ترتیب، وضاحت اور منطقی استدلال کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔ امام غزالیؒ نے اپنے اسلوب کے ذریعے اصولِ فقہ میں پائے جانے والے منتشر مباحث کو یکجا کر کے ایک مربوط نظام کی شکل دی، جس نے بعد کے اصولیین کے لیے تحقیق اور تدریس کے نئے راستے کھولے۔ ان کا اندازِ بیان نہ صرف فقہی دلائل پر مبنی ہے بلکہ اس میں عقلی ترتیب اور استدلالی گہرائی بھی نمایاں ہے، جس کی وجہ سے انہیں اصولِ فقہ کے مجددین میں شمار کیا جاتا ہے۔

علمی اہمیت

امام ابو حامد الغزالیؒ کی کتاب "المستصفی من علم الأصول" اصولِ فقہ کے علمی ذخیرے میں ایک بنیادی اور نہایت اہم مقام رکھتی ہے۔ اس کتاب کو اس وجہ سے خصوصی اہمیت حاصل ہے کہ اس میں اصولِ فقہ کے مباحث کو نہایت منظم، مدلل اور واضح انداز میں پیش کیا گیا ہے، جس سے یہ علم ایک مربوط علمی ڈھانچے میں تبدیل ہوا۔ "المستصفی" کی علمی اہمیت اس بات میں بھی پوشیدہ ہے کہ اس نے بعد کے اصولیین کے لیے ایک مضبوط علمی بنیاد فراہم کی۔ بہت سے بعد کے علماء نے اسی اسلوب اور منہج کو اختیار کیا اور اصولی مباحث کی ترتیب و تدوین میں اس کتاب کو بطورِ اساس استعمال کیا۔ اس کتاب میں دلائلِ شرعیہ، اصولی قواعد اور استدلالی طریقوں کو جس وضاحت کے ساتھ بیان کیا گیا ہے، وہ اسے دیگر کتب سے ممتاز بناتا ہے۔

مصادرِ شریعت

امام ابو حامد الغزالیؒ نے اپنی اصولِ فقہ کی کتاب "المستصفی من علم الأصول" میں مصادرِ شریعت کو اسلامی قانون سازی کی بنیادی بنیاد کے طور پر تفصیل سے بیان کیا ہے۔ ان کے نزدیک شریعت کے اصل اور بنیادی مصادر چار ہیں: قرآن، سنت، اجماع اور قیاس، جن پر احکامِ شرعیہ کی عمارت قائم ہوتی ہے۔ قرآنِ کریم کو امام غزالیؒ نے اولین اور سب سے اعلیٰ مصدر قرار دیا ہے، کیونکہ یہ اللہ تعالیٰ کا براہِ راست کلام ہے اور تمام شرعی احکام کا اصل ماخذ ہے۔ اس کے بعد سنتِ نبوی ﷺ کو قرآن کی شرح، توضیح اور

عملی تطبیق کے طور پر بنیادی حیثیت حاصل ہے، جس کے بغیر قرآن کے کئی احکام کی تفہیم مکمل نہیں ہوتی۔ اسی طرح اجماع کو امتِ مسلمہ کے اہلِ علم کے اتفاق کی بنیاد پر ایک قطعی اور مضبوط دلیل مانا گیا ہے، جبکہ قیاس کو ان نئے پیش آنے والے مسائل کے حل کا ذریعہ قرار دیا گیا ہے جن کا واضح حکم نصوص میں موجود نہیں ہوتا۔ امام غزالیؒ نے ان چاروں مصادر کے درمیان ترتیب اور حجیت کو واضح کرتے ہوئے یہ اصول قائم کیا کہ کسی بھی اجتہادی مسئلے میں پہلے قرآن، پھر سنت، پھر اجماع اور آخر میں قیاس کی طرف رجوع کیا جائے۔ اس منظم اصولی ترتیب نے اسلامی قانون سازی کو ایک مضبوط اور متوازن علمی ڈھانچہ فراہم کیا۔

اصول و قواعد

امام ابو حامد الغزالیؒ نے اپنی اصولِ فقہ کی مشہور کتاب "المستصفی من علم الأصول" میں فقہی استنباط کے بنیادی اصول اور قواعد کو نہایت منظم اور دقیق انداز میں بیان کیا ہے۔ ان کے نزدیک شریعت کے احکام کو سمجھنے اور ان سے مسائل اخذ کرنے کے لیے واضح اصولوں کی پیروی ضروری ہے تاکہ اجتہاد میں غلطی اور انتشار پیدا نہ ہو۔ اس کتاب میں امام غزالیؒ نے دلالتِ الفاظ، عام و خاص، مطلق و مقید، ناسخ و منسوخ اور امر و نہی جیسے بنیادی اصولی مباحث کو تفصیل سے واضح کیا ہے۔ ان قواعد کے ذریعے یہ سمجھایا گیا ہے کہ نصوصِ شرعیہ کو کس طرح صحیح سیاق و سباق کے ساتھ سمجھا جائے اور ان سے درست احکام کیسے اخذ کیے جائیں۔ اسی طرح انہوں نے قیاس کے اصول، علت کی تعیین اور اجتہاد کے ضوابط کو بھی واضح کیا ہے، تاکہ فقہاء کے لیے شرعی مسائل کے حل میں ایک مضبوط اصولی فریم ورک موجود ہو۔ ان اصول و قواعد کی ترتیب نے اصولِ فقہ کو ایک باقاعدہ علمی نظام کی شکل دی، جس پر بعد کے اصولیین نے بھی بھرپور اعتماد کیا۔

منطق و فلسفہ کا استعمال

امام ابو حامد الغزالیؒ نے اپنی اصولِ فقہ کی کتاب "المستصفی من علم الأصول" میں منطق اور عقلی استدلال کے اصولوں کو نہایت اہمیت کے ساتھ استعمال کیا ہے۔ ان کے نزدیک صحیح علمی نتیجے تک پہنچنے کے لیے منظم فکر اور منطقی ترتیب ضروری ہے، کیونکہ بغیر اصولی استدلال کے فقہی مسائل میں غلط فہمی پیدا ہو سکتی ہے۔ امام غزالیؒ نے اس کتاب میں قیاس، علت کی تعیین، استدلال کے طریقے اور بحث و تحقیق کے اصولوں کو منطقی انداز میں پیش کیا ہے۔ انہوں نے بعض فلسفیانہ مباحث کو بھی اصولی استدلال کی مضبوطی کے لیے بطورِ ذریعہ استعمال کیا ہے تاکہ دلائل زیادہ واضح، مربوط اور قابلِ اعتماد بن سکیں۔ اس منہج کی بدولت "المستصفی"

صرف فقہی قواعد کی کتاب نہیں رہی بلکہ ایک ایسی اصولی تصنیف بن گئی جس میں عقل، استدلال اور شرعی دلائل کو ایک مربوط نظام کے تحت پیش کیا گیا ہے۔ یہی خصوصیت اسے اصولِ فقہ کی دیگر کتب میں ممتاز مقام عطا کرتی ہے۔

دیگر کتب سے تقابل

امام ابو حامد الغزالیؒ کی کتاب "المستصفی من علم الأصول" کو اصولِ فقہ کی دیگر مشہور کتب کے مقابلے میں ایک منفرد مقام حاصل ہے۔ اس کی بنیادی وجہ اس کا منظم اسلوب، منطقی ترتیب اور جامع اندازِ بیان ہے، جو اسے اپنے دور کی کئی کتب سے ممتاز بناتا ہے۔ مثلاً امام شافعیؒ کی "الرسالہ" اصولِ فقہ کی اولین بنیادوں میں شمار ہوتی ہے، لیکن اس میں مباحث نسبتاً سادہ اور ابتدائی نوعیت کے ہیں۔ اس کے برعکس "المستصفی" میں انہی اصولی مباحث کو زیادہ تفصیل، ترتیب اور استدلالی گہرائی کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔ اسی طرح امام جوینیؒ کی "البرہان" اور امام فخر الدین رازیؒ کی اصولی تصانیف میں بھی علمی گہرائی موجود ہے، لیکن غزالیؒ کی کتاب کو اس کی جامعیت اور منطقی نظم کی وجہ سے ایک خاص امتیاز حاصل ہے۔

فقہ پر اثرات

امام ابو حامد الغزالیؒ Imam Al-Ghazali کی کتاب "المستصفی من علم الأصول" Al-Mustasfa min Ilm al-Usul نے اسلامی فقہ اور اصولِ فقہ کی ترقی پر گہرے اور دور رس اثرات مرتب کیے ہیں۔ اس کتاب نے فقہی استنباط کے عمل کو ایک منظم اور اصولی ڈھانچے میں پیش کیا، جس کی وجہ سے بعد کے فقہاء کے لیے اجتہاد اور استنباط زیادہ واضح اور منظم ہو گیا۔

"المستصفی" کے اثرات میں سب سے نمایاں بات یہ ہے کہ اس نے اصولِ فقہ کو محض نظری بحث سے نکال کر ایک عملی اور منظم علمی نظام میں تبدیل کیا۔ اس کتاب کی روشنی میں فقہاء نے نصوص کے فہم، دلائل کے استعمال اور شرعی احکام کے استنباط میں زیادہ ترتیب اور اصولی منہج اختیار کیا۔ اس کے نتیجے میں فقہی مباحث میں غیر ضروری اختلاف اور انتشار میں کمی آئی اور علمی استدلال کو زیادہ مضبوط بنیادیں حاصل ہوئیں۔ اسی طرح یہ کتاب بعد کے دور میں تدریسی نصاب کا حصہ بنی اور مختلف فقہی مکاتب میں اصولی فکر کو یکساں انداز میں سمجھنے میں مددگار ثابت ہوئی، جس نے اسلامی فقہ کی مجموعی ترقی میں اہم کردار ادا کیا۔

جدید افادیت

امام ابو حامد الغزالیؒ کی کتاب "المستصفی من علم الأصول" آج کے دور میں بھی اصولِ فقہ اور اسلامی قانون کی تفہیم میں ایک نہایت اہم علمی ماخذ کی حیثیت رکھتی ہے۔ جدید علمی ماحول میں جب فقہی مسائل زیادہ پیچیدہ اور متنوع ہو چکے ہیں، تو اس کتاب کے اصول اجتہاد اور استنباط کے لیے ایک مضبوط بنیاد فراہم کرتے ہیں۔ اس کتاب کی جدید افادیت اس بات میں بھی ہے کہ اس میں پیش کیے گئے اصولِ استدلال، منطقی ترتیب اور مصادرِ شریعت کا واضح نظام آج کی اسلامی قانون سازی اور فقہی تحقیق میں رہنمائی فراہم کرتا ہے۔ خاص طور پر اسلامی مالیات، بینکاری، اور جدید سماجی مسائل کے حل میں "المستصفی" کے اصولی قواعد کو بنیادی رہنما اصول کے طور پر استعمال کیا جاتا ہے۔

امام غزالیؒ کا منہجِ استدلال

امام ابو حامد الغزالیؒ کا منہجِ استدلال اسلامی اصولِ فقہ کی تاریخ میں نہایت منفرد، جامع اور متوازن حیثیت رکھتا ہے۔ انہوں نے اپنی مشہور تصنیف "المستصفی من علم الأصول" میں استدلال کے ایسے اصول مرتب کیے جن میں نصوصِ شرعیہ کی بالادستی، عقلی تجزیہ، منطقی ترتیب اور فقہی بصیرت کو یکجا کر دیا گیا۔ ان کے نزدیک استنباطِ احکام کا عمل نہ محض ظاہری الفاظ پر موقوف ہے اور نہ صرف عقل کی بنیاد پر قائم ہے، بلکہ صحیح اجتہاد اسی وقت ممکن ہے جب قرآن و سنت کی روشنی میں اصولِ فقہ کے مسلمہ قواعد کی پابندی کرتے ہوئے دلائل کا باہمی ربط قائم رکھا جائے۔ اسی وجہ سے ان کا منہج افراط و تفریط سے پاک اور اعتدال پر مبنی قرار دیا جاتا ہے۔

امام غزالیؒ نے استدلال کی بنیاد سب سے پہلے قرآنِ کریم کو قرار دیا اور واضح کیا کہ شریعت کے تمام احکام کا اصل سرچشمہ وحیِ الٰہی ہے۔ ان کے نزدیک قرآن کے بعد سنتِ نبوی ﷺ وہ بنیادی دلیل ہے جو قرآن کی تشریح، تخصیص اور توضیح کا فریضہ انجام دیتی ہے۔ اس کے بعد اجماع کو امت کے اہلِ علم کے متفقہ فیصلے کی حیثیت سے قطعی دلیل قرار دیا، جبکہ قیاس کو ان مسائل کے حل کا ذریعہ بتایا جن کے متعلق قرآن و سنت میں صریح حکم موجود نہ ہو۔ اس ترتیب سے معلوم ہوتا ہے کہ امام غزالیؒ کے نزدیک استدلال کی بنیاد ہمیشہ نصوصِ شرعیہ پر قائم رہتی ہے اور عقل کا کردار انہی نصوص کے فہم اور ان کے صحیح اطلاق تک محدود ہے، نہ کہ ان پر حاکم بننے کا۔[5]

---

[5] ابو حامد محمد بن محمد الغزالی، المستصفی من علم الأصول (بیروت: دار الکتب العلمیہ، 1413ھ / 1993ء)، 1:9–18، 2:350–

امام غزالیؒ کے منہج استدلال کی ایک نمایاں خصوصیت یہ ہے کہ انہوں نے دلالتِ الفاظ کے مباحث کو غیر معمولی اہمیت دی ہے۔ ان کے نزدیک کسی بھی شرعی حکم کے استنباط سے پہلے یہ جاننا ضروری ہے کہ الفاظ اپنے حقیقی یا مجازی معنی میں استعمال ہوئے ہیں، ان میں عموم یا خصوص کس درجے کی ہے، اطلاق یا تقیید کی کیا حیثیت ہے اور کسی نص میں امر یا نہی کا مفہوم کس نوعیت کا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ انہوں نے عام و خاص، مطلق و مقید، مجمل و مبین، حقیقت و مجاز اور ناسخ و منسوخ جیسے مباحث کو نہایت باریک بینی سے بیان کیا، کیونکہ ان کے نزدیک ان اصولوں سے ناواقف شخص صحیح اجتہاد کا اہل نہیں ہو سکتا۔ اس انداز سے انہوں نے استدلال کو محض فقہی روایت کے بجائے ایک منظم علمی عمل میں تبدیل کر دیا۔

ان کے منہج کی دوسری اہم خصوصیت علت کے اثبات اور قیاس کے استعمال میں احتیاط ہے۔ امام غزالیؒ قیاس کو شرعی دلیل ضرور تسلیم کرتے ہیں، لیکن وہ اس بات پر زور دیتے ہیں کہ قیاس اسی وقت معتبر ہو گا جب اس کی بنیاد صحیح اور منصوص یا مستنبط علت پر قائم ہو۔ اگر علت ثابت نہ ہو یا اس میں اضطراب پایا جائے تو قیاس بھی معتبر نہیں رہتا۔ اسی لیے انہوں نے علت کی تعیین کے اصول، اس کی شرائط اور اس کے اثبات کے طریقوں کو بڑی تفصیل سے بیان کیا ہے تاکہ اجتہاد ذاتی رجحانات کے بجائے مضبوط علمی بنیادوں پر استوار ہو۔ اس سے واضح ہوتا ہے کہ ان کے نزدیک استدلال کا ہر مرحلہ دلیل، ضابطے اور تحقیق کا پابند ہے۔

امام غزالیؒ نے اپنے منہج میں عقل کو بھی اہم مقام دیا ہے، لیکن اسے وحی کے تابع رکھا ہے۔ ان کے نزدیک عقل کا کام نصوص کی مخالفت کرنا نہیں بلکہ ان کے مقاصد کو سمجھنا اور ان کے مطابق احکام کا استنباط کرنا ہے۔ اسی مقصد کے لیے انہوں نے منطق کے بعض اصولوں سے بھی استفادہ کیا تاکہ استدلال میں ترتیب، وضاحت اور ربط پیدا ہو۔ تاہم انہوں نے فلسفیانہ نظریات کو بلا تنقید قبول نہیں کیا بلکہ صرف ان عقلی اصولوں کو اختیار کیا جو شرعی استدلال کو مضبوط بنانے میں معاون تھے۔ یہی اعتدال ان کے منہج کو دیگر اصولیین سے ممتاز کرتا ہے۔[6]

امام غزالیؒ کے استدلالی منہج کا ایک اہم پہلو مقاصدِ شریعت کی رعایت بھی ہے۔ اگرچہ انہوں نے اس موضوع کو مستقل علم کی صورت میں پیش نہیں کیا، تاہم دین، جان، عقل، نسل اور مال کے تحفظ کو شریعت کے بنیادی مقاصد قرار دے کر یہ واضح کیا کہ اجتہاد اور استنباط انہی مقاصد کی روشنی میں ہونا چاہیے۔ اس بنا پر وہ ایسے استدلال کو پسند نہیں کرتے جو ظاہری الفاظ پر تو قائم ہو مگر شریعت کی حکمت اور مصلحت کے خلاف ہو۔ ان کا یہ رجحان بعد کے اصولیین، خصوصاً امام شاطبیؒ کے نظریۂ مقاصدِ شریعت کے لیے بھی بنیاد فراہم کرتا ہے۔[7] امام غزالیؒ کا منہجِ استدلال نصوصِ شرعیہ کی پابندی، عقلی توازن، منطقی ترتیب، فقہی بصیرت اور مقاصدِ

---

[6] عبد الوہاب خلاف، علم أصول الفقه (قاہرہ: دار القلم، 1978ء)، 17

[7] محمد ابو زہرہ، الإمام الغزالي: حياته وعصره وآراؤه وفقهه (قاہرہ: دار الفكر العربي، 1977ء)، 243

شریعت کے جامع امتزاج پر مبنی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ "المستصفی" صدیوں سے اصولِ فقہ کی معتبر ترین کتب میں شمار ہوتی ہے اور آج بھی اجتہاد، استنباط اور اسلامی قانون کی تحقیق میں بنیادی مراجع میں اس کا شمار ہوتا ہے۔

اجتہاد اور تقلید کے بارے میں امام غزالیؒ کا نقطۂ نظر

امام ابو حامد الغزالیؒ نے اجتہاد اور تقلید کے مسئلے کو اصولِ فقہ کے نہایت اہم مباحث میں شمار کیا ہے۔ انہوں نے اپنی شہرۂ آفاق تصنیف "المستصفی من علم الأصول" میں اجتہاد کی حقیقت، اس کی شرائط، مجتہد کے اوصاف اور تقلید کی حدود کو نہایت متوازن اور محققانہ انداز میں بیان کیا ہے۔ ان کے نزدیک شریعت کے احکام کا استنباط ایک عظیم علمی ذمہ داری ہے، جو صرف ایسے شخص کو زیب دیتی ہے جو قرآن، سنت، اجماع، قیاس، عربی زبان اور اصولِ فقہ پر کامل دسترس رکھتا ہو۔ اس بنا پر امام غزالیؒ نے اجتہاد کو علم، دیانت اور تحقیق کا اعلیٰ ترین منصب قرار دیا ہے۔

امام غزالیؒ کے نزدیک اجتہاد سے مراد یہ ہے کہ ایک اہلِ علم اپنی پوری علمی صلاحیت اور فکری قوت کو بروئے کار لا کر کسی شرعی مسئلے کا حکم قرآن و سنت اور دیگر معتبر دلائل کی روشنی میں معلوم کرے۔ وہ اجتہاد کو محض رائے یا ذاتی رجحان کا نام نہیں دیتے بلکہ اسے شرعی اصولوں کا پابند علمی عمل قرار دیتے ہیں۔ ان کے نزدیک مجتہد کو نصوصِ شرعیہ کے معانی، دلالاتِ الفاظ، ناسخ و منسوخ، عام و خاص، مطلق و مقید، اجماع، قیاس اور مقاصدِ شریعت سے مکمل واقفیت ہونی چاہیے، کیونکہ ان علوم کے بغیر صحیح استنباط ممکن نہیں۔ اسی لیے وہ اجتہاد کو ایک منظم علمی عمل قرار دیتے ہیں، نہ کہ ہر شخص کا حق۔[8]

امام غزالیؒ نے مجتہد کے لیے متعدد شرائط بیان کی ہیں۔ ان کے نزدیک مجتہد کا قرآنِ کریم کی آیاتِ احکام، احادیثِ نبویہ، عربی زبان، اصولِ فقہ، قیاس اور اجماع سے آگاہ ہونا ضروری ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ اس میں دیانت، تقویٰ، غیر جانب داری اور حق تک پہنچنے کی حقیقی خواہش بھی ہونی چاہیے۔ اگر ان شرائط میں کمی ہو تو ایسا شخص اجتہاد کا اہل نہیں رہتا، کیونکہ ناقص علم کی بنیاد پر کیا گیا اجتہاد امت کو گمراہی کی طرف لے جا سکتا ہے۔ اس طرح امام غزالیؒ نے اجتہاد کو نہایت ذمہ دارانہ منصب قرار دیا ہے۔

تقلید کے بارے میں امام غزالیؒ کا نقطۂ نظر بھی نہایت متوازن ہے۔ ان کے نزدیک جو شخص اجتہاد کی شرائط پوری نہ کرتا ہو، اس کے لیے کسی معتبر اور اہلِ علم مجتہد کی پیروی کرنا جائز بلکہ ضروری ہے، کیونکہ ہر شخص براہِ راست قرآن و سنت سے احکام اخذ کرنے کی صلاحیت نہیں رکھتا۔ وہ اس بات پر زور دیتے ہیں کہ عوام اور غیر متخصص افراد کے لیے تقلید علمی ضرورت ہے، تاکہ وہ

---

[8] ابو حامد محمد بن محمد الغزالی، المستصفی من علم الأصول (بیروت: دار الکتب العلمیہ، 1413ھ / 1993ء)، 2:350

دینی احکام پر صحیح طور پر عمل کر سکیں۔ اس اعتبار سے تقلید کو وہ جہالت کی علامت نہیں بلکہ علمی نظم اور دینی رہنمائی کا ایک جائز ذریعہ قرار دیتے ہیں۔

اس کے ساتھ ہی امام غزالیؒ اندھی تقلید کے حامی نہیں ہیں۔ ان کے نزدیک اگر کسی مسئلے میں قرآن، سنت یا اجماع کی واضح دلیل موجود ہو تو محض کسی شخصیت یا فقہی رائے کی بنیاد پر اس کے خلاف موقف اختیار کرنا درست نہیں۔ اسی طرح وہ اہلِ علم کو دعوت دیتے ہیں کہ جہاں اجتہاد کی گنجائش موجود ہو وہاں دلائل کی روشنی میں تحقیق کریں اور محض سابقہ آراء پر اکتفانہ کریں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کے نزدیک تقلید کا مقصد تحقیق کا دروازہ بند کرنا نہیں بلکہ علمی صلاحیت نہ رکھنے والوں کی رہنمائی کرنا ہے۔ امام غزالیؒ اجتہاد اور تقلید کے درمیان ایک متوازن تعلق قائم کرتے ہیں۔ ان کے نزدیک امت کو ہمیشہ ایسے علماء کی ضرورت رہے گی جو نئے پیش آنے والے مسائل میں شرعی اصولوں کی روشنی میں اجتہاد کریں، کیونکہ زمانے کی تبدیلی کے ساتھ ایسے معاملات پیدا ہوتے رہتے ہیں جن کا صریح ذکر قدیم فقہی متون میں نہیں ملتا۔ اسی طرح عام مسلمانوں کے لیے ضروری ہے کہ وہ اہلِ علم سے رجوع کریں اور ان کی رہنمائی میں دینی احکام پر عمل کریں۔ اس اعتدال پسند نظریے نے اسلامی فقہ میں تحقیق اور استحکام دونوں کو یکجا کر دیا۔ امام غزالیؒ کے نزدیک اجتہاد علم، تقویٰ اور اصولی مہارت کا تقاضا کرتا ہے، جبکہ تقلید ان لوگوں کے لیے جائز اور ضروری ہے جو اجتہاد کی اہلیت نہیں رکھتے۔ ان کا یہ نظریہ نہ افراط پر مبنی ہے اور نہ تفریط پر، بلکہ قرآن و سنت، علمی تحقیق اور امت کے عملی مصالح کے درمیان ایک متوازن اور مضبوط اصولی بنیاد فراہم کرتا ہے، جس کی افادیت آج بھی برقرار ہے۔

مقاصدِ شریعت کی وضاحت

امام ابو حامد الغزالیؒ نے مقاصدِ شریعت کے تصور کو اصولِ فقہ کی بنیادوں میں شامل کرتے ہوئے واضح کیا کہ شریعت کے تمام احکام انسانی زندگی میں خیر، عدل اور مصلحت کے قیام کے لیے نازل کیے گئے ہیں۔ اگرچہ انہوں نے مقاصدِ شریعت پر مستقل کتاب تصنیف نہیں کی، تاہم اپنی مشہور تصنیف "المستصفی من علم الأصول" میں اس موضوع کو نہایت جامع انداز میں بیان کیا ہے۔ ان کے نزدیک شریعت کا ہر حکم کسی نہ کسی مصلحت کے حصول یا کسی مفسدہ کے ازالے کے لیے مشروع کیا گیا ہے، اس لیے اجتہاد اور استنباط کے عمل میں ان مقاصد کو پیشِ نظر رکھنا ناگزیر ہے۔

امام غزالیؒ نے انسانی مصالح کو تین درجات میں تقسیم کیا ہے: ضروریات، حاجیات اور تحسینیات۔ ضروریات وہ بنیادی مصالح ہیں جن کے بغیر انسانی زندگی اور دینی و معاشرتی نظام برقرار نہیں رہ سکتا۔ حاجیات وہ امور ہیں جو زندگی میں آسانی اور

سہولت پیدا کرتے ہیں، جبکہ تحسینیات سے مراد وہ امور ہیں جو اخلاق، تہذیب اور حسنِ معاشرت کو فروغ دیتے ہیں۔ اس تقسیم کے ذریعے انہوں نے واضح کیا کہ شریعت کے تمام احکام انسانی فلاح کے مختلف پہلوؤں کی حفاظت کے لیے وضع کیے گئے ہیں۔

امام غزالیؒ کے نزدیک ضروریاتِ خمسہ، یعنی دین، جان، عقل، نسل اور مال کا تحفظ شریعت کے بنیادی مقاصد ہیں۔ ان کے مطابق جو حکم ان پانچ بنیادی مصالح کی حفاظت کرتا ہے وہ مصلحت پر مبنی ہے، اور جو ان کو نقصان پہنچاتا ہے وہ مفسدہ ہے، جسے شریعت ختم کرنا چاہتی ہے۔ یہی اصول فقہی اجتہاد میں ایک بنیادی معیار کی حیثیت رکھتا ہے، کیونکہ اس کی روشنی میں نئے پیش آنے والے مسائل کا شرعی حکم متعین کیا جا سکتا ہے۔[9]

امام غزالیؒ نے مصلحت کے استعمال میں بھی اعتدال کا راستہ اختیار کیا ہے۔ ان کے نزدیک مصلحت صرف وہی معتبر ہو گی جو قرآن، سنت اور اجماع کے عمومی مقاصد سے ہم آہنگ ہو۔ اگر کوئی مصلحت نصوصِ شرعیہ کے خلاف ہو تو اسے شرعی دلیل نہیں بنایا جا سکتا۔ اس طرح انہوں نے مصلحت کے تصور کو خواہشاتِ نفس یا محض عقلی قیاس سے محفوظ رکھتے ہوئے اسے شریعت کے دائرے میں رکھا۔ یہی وجہ ہے کہ ان کے ہاں مقاصدِ شریعت اور نصوصِ شرعیہ ایک دوسرے کے معاون ہیں، نہ کہ متقابل۔

بعد کے علماء، خصوصاً نے مقاصدِ شریعت کے علم کو مزید وسعت دی، لیکن اس کی مضبوط علمی بنیاد امام غزالیؒ ہی نے فراہم کی۔ ان کے پیش کردہ اصول آج بھی اسلامی قانون، فقہی اجتہاد، اسلامی مالیات، خاندانی قوانین اور دیگر جدید مسائل کے حل میں بنیادی رہنمائی فراہم کرتے ہیں۔ اس اعتبار سے امام غزالیؒ کا نظریۂ مقاصدِ شریعت اسلامی فقہ کی دائمی افادیت اور عصر حاضر میں اس کی تطبیق کو سمجھنے کے لیے نہایت اہم حیثیت رکھتا ہے۔

الفاظ کی دلالات اور ان کی اقسام

امام ابو حامد الغزالیؒ نے اپنی اصولِ فقہ کی معروف تصنیف "المستصفی من علم الأصول" میں الفاظ کی دلالات کو استنباطِ احکام کی بنیادی اساس قرار دیا ہے۔ ان کے نزدیک قرآن و سنت کے نصوص سے صحیح شرعی احکام اخذ کرنے کے لیے یہ جاننا ضروری ہے کہ الفاظ اپنے معنی پر کس انداز سے دلالت کرتے ہیں۔ اگر دلالتِ الفاظ کے اصولوں کو نظر انداز کر دیا جائے تو نصوص کے صحیح مفہوم تک پہنچنا ممکن نہیں رہتا، جس کے نتیجے میں اجتہاد میں غلطی واقع ہو سکتی ہے۔ اسی بنا پر امام غزالیؒ نے دلالتِ الفاظ کے مباحث کو اصولِ فقہ کا نہایت اہم حصہ قرار دیا ہے۔[10]

---

[9] ابو حامد محمد بن محمد الغزالی، المستصفی من علم الأصول (بیروت: مؤسسۃ الرسالۃ، 1417ھ / 1997ء)، 1:286

[10] محمد تقی عثمانی، اصولِ افتاء و آداب (کراچی: مکتبہ معارف القرآن، 2010ء)، ص 95–

امام غزالیؒ کے نزدیک الفاظ کی دلالت کبھی اپنے ظاہری معنی پر ہوتی ہے اور کبھی قرائن کی وجہ سے اس کے مجازی یا ضمنی مفہوم کی طرف منتقل ہو جاتی ہے۔ اس لیے کسی بھی نص کو سمجھنے سے پہلے اس کے سیاق و سباق، لغوی استعمال، شرعی اصطلاح اور دیگر متعلقہ قرائن کو پیشِ نظر رکھنا ضروری ہے۔ انہوں نے واضح کیا ہے کہ الفاظ کو ان کے حقیقی معنی پر محمول کرنا اصل ہے، البتہ جب کوئی معتبر دلیل موجود ہو تو مجازی معنی بھی اختیار کیے جاسکتے ہیں۔ اس اصول کے ذریعے انہوں نے نصوص کی تعبیر میں اعتدال اور احتیاط کا منہج اختیار کیا ہے۔[11]

اسی طرح امام غزالیؒ نے عام و خاص، مطلق و مقید، مجمل و مبین، امر و نہی اور حقیقت و مجاز جیسے مباحث کو الفاظ کی دلالت کے اہم پہلو قرار دیا ہے۔ ان کے نزدیک عام لفظ اپنے تمام افراد کو شامل ہوتا ہے، لیکن اگر کوئی معتبر دلیل موجود ہو تو اس کی تخصیص کی جاسکتی ہے۔ اسی طرح مطلق لفظ اپنے اطلاق پر باقی رہتا ہے، تاہم کسی شرعی دلیل کی بنا پر اسے مقید بھی کیا جاسکتا ہے۔ انہوں نے امر کے صیغے کو اصل کے اعتبار سے وجوب پر اور نہی کو حرمت پر محمول کیا ہے، البتہ اگر کوئی قرینہ موجود ہو تو ان کے مفہوم میں تبدیلی بھی ممکن ہے۔ یہ تمام اصول اس بات کو یقینی بناتے ہیں کہ شرعی نصوص سے احکام اخذ کرتے وقت کسی قسم کی بے احتیاطی نہ ہو۔ امام غزالیؒ کے نزدیک دلالتِ الفاظ کا مقصد صرف لغوی معنی معلوم کرنا نہیں بلکہ شارع کی حقیقی مراد تک پہنچنا ہے۔ اسی لیے وہ زبان کے قواعد، عربی محاورات اور شرعی استعمال کو ایک دوسرے سے مربوط کر کے دیکھتے ہیں۔ ان کا یہ منہج فقہاء کو اس قابل بناتا ہے کہ وہ نصوص کے ظاہر اور مقاصد دونوں کو سامنے رکھتے ہوئے متوازن اور صحیح شرعی احکام اخذ کر سکیں۔ یہی وجہ ہے کہ دلالتِ الفاظ کا باب ان کی اصولی فکر میں بنیادی حیثیت رکھتا ہے اور بعد کے اصولیین نے بھی اسی منہج کو اختیار کیا۔

بعد کے اصولیین پر "المستصفی" کے اثرات

امام ابو حامد الغزالیؒ کی شہرۂ آفاق تصنیف "المستصفی من علم الأصول" نے اصولِ فقہ کی علمی روایت پر نہایت گہرے اور دیرپا اثرات مرتب کیے۔ اس کتاب نے نہ صرف اپنے عہد کے علمی مباحث کو منظم کیا بلکہ بعد کے اصولیین کے لیے ایک ایسا مستحکم علمی منہج فراہم کیا جس کی بنیاد پر انہوں نے اپنے اصولی نظریات کو استوار کیا۔ امام غزالیؒ کی اس تصنیف کی جامعیت، منطقی ترتیب، مضبوط استدلال اور دقیق علمی اسلوب نے اسے اصولِ فقہ کی بنیادی اور مستند کتب میں شامل کر دیا، چنانچہ بعد کے متعدد علماء نے اس سے براہِ راست استفادہ کیا اور اپنی تصانیف میں اس کے منہج کو اختیار کیا۔

---

[11] مفتی محمد زاہد، اصولِ فقہ (لاہور: ضیاء القرآن پبلی کیشنز، 2017ء)، ص 131

امام غزالیؒ کی اس کتاب کا سب سے نمایاں اثر یہ ہوا کہ اصولِ فقہ کے مباحث کو ایک مربوط علمی ترتیب حاصل ہوئی۔ ان سے پہلے اگرچہ اصولِ فقہ پر متعدد اہم کتابیں لکھی جا چکی تھیں، لیکن "المستصفی" نے ان مباحث کو اس انداز سے مرتب کیا کہ بعد کے علماء نے اسی ترتیب کو اپنے لیے نمونہ بنایا۔ خاص طور پر دلائلِ شرعیہ، دلالتِ الفاظ، قیاس، اجتہاد، تقلید اور مصالحِ شرعیہ کے مباحث میں امام غزالیؒ کی آراء نے بعد کی علمی روایت کو گہرے طور پر متاثر کیا۔

بعد کے ممتاز اصولیوں، مثلاً Fakhr al-Din al-Razi، Sayf al-Din al-Amidi، Abu Ishaq al-Shatibi اور Taj al-Din al-Subki نے اپنی اصولی تصانیف میں امام غزالیؒ کے استدلالی منہج سے نمایاں استفادہ کیا۔ اگرچہ ان علماء نے بعض مسائل میں اختلاف بھی کیا، تاہم اصولی مباحث کی ترتیب، دلائل کی تنظیم اور علمی استدلال کے انداز میں "المستصفی" کے اثرات واضح طور پر نظر آتے ہیں۔ بالخصوص مصالحِ شرعیہ اور مقاصدِ شریعت کے مباحث کو بعد کے علماء نے مزید وسعت دی، جس کی ابتدائی علمی بنیاد امام غزالیؒ نے ہی فراہم کی تھی۔ "المستصفی" کا ایک اہم اثر یہ بھی ہے کہ یہ صدیوں تک دینی مدارس اور جامعات میں اصولِ فقہ کی تدریس کا بنیادی ماخذ رہی۔ اس پر متعدد شروح، حواشی اور تعلیقات لکھی گئیں، جنہوں نے اس کے علمی اثر کو مزید وسعت دی۔ اس کتاب کے ذریعے طلبہ اور محققین نے نہ صرف اصولِ فقہ کے بنیادی مباحث سیکھے بلکہ استدلال، تحقیق اور اجتہاد کے منظم طریقے سے بھی واقفیت حاصل کی۔ یہی وجہ ہے کہ اس کی علمی افادیت وقت گزرنے کے ساتھ کم ہونے کے بجائے مزید نمایاں ہوتی گئی۔

عصرِ حاضر میں بھی "المستصفی" اسلامی قانون، فقہی تحقیق اور جدید اجتہادی مسائل کے مطالعے میں بنیادی مراجع میں شمار ہوتی ہے۔ معاصر محققین اس کتاب سے اصولی قواعد، استنباطِ احکام اور مقاصدِ شریعت کے مباحث میں رہنمائی حاصل کرتے ہیں۔ اس اعتبار سے یہ تصنیف محض ایک تاریخی علمی سرمایہ نہیں بلکہ آج بھی اسلامی فقہ اور اصولِ فقہ کی تحقیق میں زندہ اور مؤثر حیثیت رکھتی ہے۔

مصادر و مراجع

ابن اثیر، عز الدین ابی الحسن علی بن ابی الکرم محمد بن محمد بن عبد الکریم بن عبد الواحد۔ الکامل فی التاریخ۔ لاہور: مکتبہ رحمانیہ، 1356ھ۔

ابو حامد محمد بن محمد الغزالی۔ المستصفی من علم الأصول۔ بیروت: دار الکتب العلمیہ، 1413ھ/1993ء۔

ابو حامد محمد بن محمد الغزالی۔ المستصفی من علم الأصول۔ بیروت: مؤسسۃ الرسالہ، 1417ھ/1997ء۔

الغزالی، ابو حامد محمد بن محمد۔ المنقذ من الضلال، ترجمہ: محمد حنیف ندوی۔ لاہور: ادارۂ ثقافت، 2016ء۔

سبکی، تاج الدین ابی نصر عبد الوہاب بن علی۔ طبقات الشافعیہ۔ بیروت، لبنان: دار الکتب العلمیہ، 2011ء۔

شبلی نعمانی۔ الغزالی۔ لاہور: مکتبہ ثناء اللہ، 1956ء۔

عبد الوہاب خلاف۔ علم أصول الفقہ۔ قاہرہ: دار القلم، 1978ء۔

محمد ابو زہرہ۔ الإمام الغزالي: حیاتہ وعصرہ وآراؤہ وفقھہ۔ قاہرہ: دار الفکر العربي، 1977ء۔

محمد تقی عثمانی۔ اصولِ افتاء و آدابہ۔ کراچی: مکتبہ معارف القرآن، 2010ء۔

مفتی محمد زاہد۔ اصولِ فقہ۔ لاہور: ضیاء القرآن پبلی کیشنز، 2017ء۔